R. N. 2186/51

Regd. No A. 923

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No 20

Telegrams: "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۱ - شمارہ ۲ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ جنوری سنہ ۱۹۶۲ء

عابد رضا بیدار

گذشتہ سے پیوستہ

بابائے اردو کا رسالہ افسر

دنیا کی مہذب اور شائستہ مذہب قومیں جو اسلام کو ایک وحشیانہ اور ذلیل مذہب سمجھتی تھیں ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت قائم کی۔ اور یہ وہ کام تھا جو نہ ہمارے جید علماء سے ہو سکا اور نہ فاضل محققوں سے۔ گویا سرسید نے اندرونی اور بیرونی دونوں دشمنوں کا مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ اگرچہ ہم مولانا کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں جہاں انھوں نے سرسید کے ترقیات کے اسباب پر ایک مفصل اور دلچسپ بحث کرنے کے بعد یہ رائے قرار دی ہے کہ اصل سبب ان تمام ترقیوں کا مذہب تھا مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ سرسید نے مذہب ہی سے پوچھا کہ قوم کی اصلی اور حقیقی خیر خواہی کس چیز میں ہے۔ مذہب نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے اعزاز سے اسلام کو معزز کرنا اور دنیا کے ذریعہ سے دین کو تقویت دینا۔ یا مثلاً انھوں نے غدر سے نازک زمانے میں مذہب ہی سے یہ سوال کیا کہ قوم کی آگ میں کود پڑنا بہتر ہے یا اپنی جان بچا کر اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرنی بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ انھوں نے یہ سوالات مذہب سے کئے مگر اس قسم کے خیالات اور سوالات، جو قوم کی اصلی اور حقیقی بہبودی سے متعلق تھے ان کے دل میں کہاں سے پیدا ہوئے اور یہ باتیں ان کو کس نے سمجھائیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ریفارمروں اور محسنوں کا یہی حال ہے کہ ان کی ترقی کے اصل اسباب ایسے پیچ در پیچ اور عجیب غریب ہوتے ہیں کہ ان کا سمجھنا کسی مصنف کا کام نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی قابلیت کا شخص جو دن رات اپنی ہی سوسائٹی میں رہتا ہے اور ان ہی کا ہم خیال ہے اسے دفعۃً ایسا خیال پیدا ہوا اور ایک ایسا حیرت انگیز اور عظیم الشان کام کر دکھائے جس سے ایک عالم کو حیرت ہو۔ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔

البتہ مولانا نے جو بحث سرسید کی کامیابی کے اسباب پر کی ہے وہ در حقیقت نہایت قابل تعریف ہے۔ علاوہ امور کامیابی اور ان کی ترتیب کے جس فصاحت اور شستگی کے ساتھ اسے بیان کیا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے اردو لٹریچر کے اعلیٰ نمونوں میں شمار کیا جائے۔

ہم نے مانا کہ سرسید نے تفسیر میں بعض رکیک غلطیاں کیں، ہم نے مانا کہ انھوں نے سوشل خرابیوں پر پوری نظر نہ ڈالی، ہم نے مانا کہ انھوں نے حسابات کی جانچ پڑتال میں لاپروائی کی، ہم نے مانا کہ بعض امور میں انھوں نے خواہ مخواہ انگریزوں کی تقلید کی، ہم نے مانا کہ انھوں نے کالج کی دھن میں اپنی معمولی فیاضی اور خیرات سے ہاتھ کھینچ لیا، دوسرے مدرسوں کو نفرت سے دیکھا اور اچھوں کو برا اور بروں کو اچھا بنا دیا، ہم نے یہ بھی مانا کہ جو کچھ انھوں نے کیا شہرت کی وجہ سے کیا۔ مگر اس نے دو کام ایسے چھوڑے ہیں کہ اگر روح کوئی چیز ہے یا نیک و بد کام کا اثر یقینی شے ہے، تو یہ دنیا مٹنے سے مٹ جائے مگر اس کے یہ کام کبھی نہ مٹیں گے۔ یہاں نہیں تو کسی دوسرے عالم میں اور وہاں نہیں تو کہیں اور وہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں گے۔ ان کا سب سے بڑا مہتم بالشان اور قابل قدر کام یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں ایک تحریک پیدا کر دی، انھیں خواب خرگوش سے جگایا، گمراہ سے راہ پر لایا اور ان کے دلوں میں تحقیق کا مادہ پیدا کیا اور بقول ٹینی سن کے یہ جتایا کہ:

"ایک سچے شبہ میں دنیا کے نصف مذاہب سے زیادہ ایمان ہوتا ہے۔"

تب مثل آدم اول کے ان کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے دیکھا کہ ہم کیا ہیں اور کہاں ہیں۔ گو اب رستہ صاف اور ہموار ہے اور ترقی کی راہیں کھلی ہیں لیکن بنا اسی نے ڈالی اور دلوں میں جو حرکت اس نے پیدا کی۔ اس کے لئے وہ سب سے زیادہ قابل تعریف اور قابل قدر ہے اور یہی کام ہے بڑے بڑے ریفارمروں، مجددوں، صاحبدلوں اور پیغمبروں کا۔ وہ لوگوں کے دلوں میں حرکت پیدا کرتے ہیں اور وہ حرکت سمندر کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے جس کا تموج سمندر کے تموج سے کہیں زیادہ پھیلنے والا اور قائم رہنے والا ہوتا ہے۔ دوسرا کام خود ان کی

زندگی ہے جو باوجود دنیا اور اہل دنیا میں رہ کر سانپ، بچھوؤں اور درندوں میں پھنس کر پھر بھی ایسی ہی پاک صاف ہے جیسے کسی بڑے سے بڑے پارسا کی ہو سکتی ہے۔ اور پھر ایسی زندگی جس کا ایک ایک لحظہ دوسروں کے فائدے اور غیروں کی ہمدردی میں صرف ہوا جس نے خودی کو مٹا دیا اور اپنے آپ کو ملک اور قوم پر قربان کر دیا۔ یہ زندگی ہم سب کے لئے راہ نما ہے اور یہ کتاب اس زندگی کا نقش قدم ہے جو اس راہ پر چلنے والوں کا سہارا اور بھولے بھٹکوں کا آسرا ہے جو شخص اپنی زندگی کو مفید بنانا چاہتا ہے اور اپنے ابنائے جنس کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب کو پڑھے کیونکہ اس میں ایک پاک اور اعلیٰ زندگی کے نشان ہیں۔

جب ہم اس کتاب پر بہ حیثیت لٹریچر کے نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اور بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ اس وقت مولانا حالی کی یہ آخری تصنیف ہے اور زبان کی پختگی، شستگی اور زور بیان میں خود مولانا حالی اور نیز اردو کی دوسری تصانیف پر اسے بڑا تفوق ہے۔ مولانا حالی میں باوجود قدرت اور وسعت کے ایک اس قسم کا اعتدال ہے کہ جس سے نہ تو بیان کی قوت میں فرق آتا ہے اور نہ اس قدر شان لفاظی اور بے جا جوش و خروش ہوتا ہے کہ جس سے بجائے اس کے کہ بیان میں قوت اور کلام میں اثر پیدا ہو، ہر طرح کا ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض وہ اپنے بیان میں اپنے تشبیہات و استعارات میں ہمیشہ اپنے آپ کو سنبھالے رہتے ہیں اور کبھی اعتدال سے نہیں بڑھتے اور اسی میں ان کی کامیابی کا گر ہے۔

مولانا حالی نے اس کتاب کے لکھنے میں پورے چھ برس صرف کئے ہیں اور دن رات اسی دھن میں رہے ہیں اور اس قدر وسیع اور کثیر مواد جمع کیا ہے کہ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور پھر تمام معاملات پر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ بات گویا مولانا حالی پر ختم ہے، دوسرے کے قلم میں اتنا بوتا نہیں۔ یہ کتاب اردو لٹریچر میں اس وقت سب سے اعلیٰ اور بے نظیر ہے اور اگر یہ ہاتھوں ہاتھ نہ بکی اور تابڑ توڑ کئی ایڈیشن نہ چھپے تو سمجھنا چاہئے کہ مسلمانوں سے زیادہ ناقدردان دنیا میں کوئی قوم نہیں۔

البتہ اس کتاب کے متعلق ایک ذرا سا اعتراض ہمیں ضرور ہے، اور وہ یہ ہے کہ مولانا نے کہیں کہیں انگریزی الفاظ کو لکھا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ نہایت خوبی کے ساتھ ان کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ان اردو دانوں کو جو انگریزی سے محض نا آشنا ہیں (باستثناء مولانا حالی) بڑی دقت سمجھنے میں پڑے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جن الفاظ کے لئے ہمارے ہاں ہم معنی الفاظ نہیں، ان کا استعمال کرنا جائز ہے اور وہ ضرور استعمال کرنے چاہئیں۔ لیکن جب ان کے ہم معنی الفاظ موجود ہوں، تو پھر خواہ مخواہ انگریزی الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ غالباً اس سے اردو الفاظ کا ذخیرہ بڑھانا اور کلام میں قوت پیدا کرنا مقصود ہو۔ فقط

عبدالحق

(۲)

مصنفین کی نسبت غائبانہ خیال

دھوکے دنیا میں طرح طرح کے ہوتے ہیں لیکن مصنفین و شعرا کے عجیب فرقوں میں سے ہیں، ان کی نسبت دھوکا بھی عجیب قسم کا ہوتا ہے۔ جب ہم کسی مصنف کے کلام کی بہت زیادہ قدر کرتے ہیں اور اسے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں، تو پڑھتے پڑھتے اس کی صورت، شکل، عادات اور گفتگو کے متعلق ایک تصویر ہمارے ذہن میں کھنچ جاتی ہے، اور ایک حد تک ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہمارا مصنف ایسا ہوگا۔ اور ساتھ ہی جب کسی کے کلام کی قدردانی کی یہ حالت ہو تو خود مصنف سے بھی ملاقات کرنے کا بہت اشتیاق ہوتا ہے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر ایسا ہوا ہے کہ یا تو ہمارا پہلا عقیدہ جاتا رہا! یا جو ہم سمجھے ہوئے تھے اس کے بالکل برعکس نکلا۔ غرض دونوں حالتوں میں مایوسی ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے شاعروں کے متعلق یہ دھوکا اکثر ہوتا ہے، کیونکہ ہماری شاعری ایک خاص ڈھرے پر چلی آتی ہے۔ وہی مضمون اور وہی باتیں بار بار باندھی جاتی ہیں، خواہ مذاق کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ اور اس لئے ان کے کلام سے شاعر کی طبیعت اور حالات کا اندازہ کرنا کسی قدر مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً:

آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

ننگے ہی پڑتے ہیں حرم سے اُچکے دیکھو
شرم کی بات ہے تم ان کو دباتے بھی نہیں

یہ دو شعر پڑھ کر کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ ان کا لکھنے والا ایک مقدس بزرگ، پابند شریعت، نہایت متین اور پاکباز آدمی ہے اور جو شخص اس قسم کے اشعار پڑھ کر پہلی بار ان سے ملاقات کرے گا، دل میں کیا خیال کرے گا۔ جو تصویر اس نے اپنے ذہن میں کھینچ رکھی تھی، وہ دم بھر میں گم ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی شاعری میں اکثر اوقات ایسی باتیں لکھنی پڑتی ہیں جنہیں خود ہمارا دل جھٹلاتا ہے۔ بعض اوقات قافیہ نبھانے کے لئے اور بعض دفعہ تلازمہ یا ضلع جگت کے خیال سے اور کچھ تغزل کا رنگ قائم رکھنے کے لئے ہمارے شاعر ایسی ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کی نسبت کچھ اور ہی خیال قائم کر لیتا ہے۔

تحریر و تقریر میں ظاہر ہے کہ بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو لکھتے خوب ہیں مگر تقریر ان کی سنو تو بالکل نکمی۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ تقریر سنو تو معلوم ہو کہ بڑے علامہ ہیں مگر جب لکھنے بیٹھے تو حقیقت کھل گئی۔ بعض مصنفین جن کے کلام کے ہم والہ و شیدا ہوتے ہیں، ملاقات کے وقت جب ہم ان کی باتیں سنتے ہیں تو (باقی صفحہ ۱۱ پر)

اداریہ

جذباتی ہم آہنگی کیسے ہو؟

مرکزی حکومت کی وزارت تعلیم نے جو جذباتی ہم آہنگی کمیٹی بنائی تھی، اس کی سفارشات اخباروں میں آرہی ہیں۔ اس کمیٹی کے صدر شری سمپورنانند تھے اور اس کے ممبروں میں بعض مشہور قومی کارکن اور ماہرین تعلیم تھے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ کمیٹی نے مسئلے کی روح کو چھوا تک نہیں اور چند جزوی باتوں پر بہت زور دیا ہے۔ مثلاً کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ سال میں دو مرتبہ طلبہ سے قومی عہد لیا جائے، روزانہ اسکول شروع ہوتے وقت قومی ترانہ گایا جائے، طلبہ کے لئے ایک مشترک لباس ہو، سماجی لحاظ سے بچھڑے ہوئے طلبہ کے لئے تعلیمی سہولتیں ہوں۔ درسی کتابوں پر کل ہند اور عالمی سیمینار ہوں اور عالمی نمائشوں کا انتظام کیا جائے۔ کمیٹی نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تعلیمی اداروں میں داخلہ اور وظائف وغیرہ دینے میں بنیادی اہلیت کو ملحوظ رکھا جائے تو اس سے بھی قومی یکجہتی میں مدد ملے گی۔ نیز ثانوی تعلیم کی منزل پر اس لسانی فارمولے کی بھی تائید کی ہے جس کی سفارش وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس نے اگست سنہ ۱۹۶۱ء میں کی تھی۔ لسانی اقلیتوں کے اس مطالبے کی بھی کمیٹی نے تائید کی ہے کہ انھیں ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں ملنی چاہئے مگر ثانوی تعلیم کے لئے علاقائی زبانوں کو موزوں قرار دیا ہے۔ ہاں مخصوص حالات میں دستور میں دی گئی کسی دوسری زبان یا انگریزی میں تعلیم کی بھی سفارش کی ہے۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی سفارش نئی نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق بار بار کہا گیا ہے۔ پھر ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو ذہن کی تبدیلی سے زیادہ صرف اوپری تبدیلی لاسکتی ہیں۔ قومی ترانہ ہر اسکول میں گایا جاتا ہے اور گایا جانا چاہئے، مگر اس سے کچھ اثر بھی قبول کرنا چاہئے، اسے محض ایک رسم نہیں سمجھنا چاہئے۔ مشترک لباس کی خوبیاں بھی ظاہر ہیں، مگر دلوں میں فرق ہو تو مشترک لباس کیا کرے گا۔ اسی طرح درسی کتابوں میں مناسب اور موزوں سبق ہوتے بھی تو جب تک پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں کا ان پر عقیدہ نہیں ہے اور روز مرہ زندگی میں یکجہتی کے بجائے انتشار اور پراگندگی کے ہر طرف مظاہرے ہوتے رہتے ہیں، صرف اوپری ٹیم ٹام سے کیا ہوگا۔ دستور میں تو اب بھی ابتدائی تعلیم اقلیتوں کی مادری زبان میں دینے کی ہدایت ہے مگر کیا انصاف سے کہا جاسکتا ہے کہ اس ہدایت پر قرار واقعی عمل ہوتا ہے۔ ثانوی منزل پر لسانی فارمولے کی تحریک بھی نئی نہیں۔ ثانوی تعلیم کے لئے مدالیار کمیشن نے یہ سفارش برسوں پہلے کی تھی مگر یا تو اس فارمولے کی غلط تعبیر کی جارہی ہے یا سرے سے اس پر عمل ہی نہیں ہو رہا ہے۔

اس لئے ہماری رائے میں اب صرف ان باتوں پر زور دینے سے کام نہیں چلے گا۔ یہ باتیں اپنی جگہ اچھی ہیں اور مفید بھی ہوسکتی ہیں، مگر ان پر عمل کرنا ہے تو لوگوں کے ذہن بدلنے ہوں گے۔ گروہوں، ٹولیوں اور چند طاقتور اشخاص کا زور ختم کرنا ہوگا۔ علاقائی تعصب کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ فرقہ پرستی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ زبان کے نام پر نفرت پھیلانے کو قومی جرم قرار دینا پڑے گا۔ اقلیتوں کو بہلانے کے بجائے ان کے حقوق کا پورا پورا احترام کرنا پڑے گا۔ قومی یک جہتی باتوں سے نہیں ہوگی، عمل سے ہوگی۔ اس کے لئے سیاسی گروہ بندیوں کو اپنے حدود میں رکھنا پڑے گا۔ اس کے لئے ریاستوں کو من مانی کرنے سے روکنا پڑے گا، اس کے لئے اکثریت کو زبردستی کرنے سے باز رکھنا پڑے گا، اس کے لئے حق پر اصرار اور فرائض سے غفلت کی پالیسی ترک کرنی پڑے گی۔

یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہمارے سیاست داں سمجھتے ہیں۔ مگر یہ ہوسکتا ہے اور کرنا ہے۔ اسی لئے جمہوریت کی روح کو عام کرنا ہے۔ مساوات کے معنی سکھانے ہیں، اور اس معنی پر ہر حال میں اصرار کرنا ہے۔ اسی لئے تشدد، زبردستی دھونس، کو ختم کرنا ہے۔ اسی لئے ان شاطروں کی قلعی کھولنا ہے جو کبھی مذہب کے نام پر، کبھی پرانی تہذیب کی دہائی دے کر، کبھی فرد کی عزت نفس کا نام لے کر، کبھی اپنے علاقے سے وفاداری کے جذبے کو ابھار کر قومی یک جہتی کے راستے میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اقلیتوں کے سارے مطالبات آج ہی مان لئے جائیں، مگر یہ تو ہونا ہی چاہئے کہ جو مدت ہوئی مان لیا گیا، اس پر عمل ہو اور جو عمل نہ کرے اس سے اس طرح باز پرس ہو کہ وہ دوبارہ غفلت نہ کرسکے۔ عام طور پر چند ہی لوگ اخلاقی اعتبار سے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ وہ اصولوں کی ان کی خوبی کی وجہ سے پیروی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ زیادہ ہوتے ہیں جو اصول کو مانتے ہیں مگر عمل اس لئے نہیں کرتے کہ عمل کرنے میں جو تھوڑی بہت زحمت ہوتی ہے یا جس کی وجہ سے سستی مقبولیت میں کمی آتی ہے اس کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ بیشتر لوگ صرف اس لئے عمل نہیں کرتے کہ نہ کرنے سے ان کا کوئی ایسا نقصان نہیں ہوتا جو ان کی ناک کے سامنے ہو اور حقیقی نفع یا نقصان وہ دیکھ نہیں سکتے۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ کمیٹیاں بنتی رہیں گی اور ان کی خوشنما سفارشات سے ہم بہلتے رہیں گے، مگر ان پر عمل کی زحمت کوئی گوارا نہیں کرے گا کیونکہ اس سے ووٹ نہیں ملیں گے، اور ووٹ نہیں ملیں گے تو اقتدار ہاتھ نہیں آئے گا۔ ہمارے عوام میں خلوص ہے مگر ابھی سمجھ نہیں ہے اس لئے چالاک لوگ انھیں کچھ عرصے تک کھلونے دے کر بہلاتے رہیں گے اور اپنا الو سیدھا کرتے رہیں گے۔ لیکن

چونکہ ہمیں اپنی قوم پر اعتماد ہے اس لئے امید ہے کہ جلد وہ مطلبی اور مخلص لوگوں میں فرق کرنا سیکھ لے گی اور آج کے نشے کے بجائے کل کی نجات پر نظر رکھنے لگے گی۔ قومی یکجہتی کے لئے سب کو جد و جہد کرنا پڑے گی۔ صرف حکومت کی تجاویز اور کمیٹیوں کی سفارشات سے یہ مہم سر نہیں ہو سکتی۔ ہر فرد اور جماعت کو اپنے فرائض ادا کرنے ہوں گے اور حقوق طلبی کی لے کم کرنی ہوگی۔ قوم کی ترقی قومی یکجہتی میں مضمر ہے اور یکجہتی کے بغیر ترقی کا ہر خواب ایک سراب ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس کا نام لے کر داد لینا لوگ کم کر دیں، ہاں اس کو فرض سمجھ کر اس پر عمل کرنا اپنا شعار ضرور بنا لیں۔

آندھرا پردیش اُردو کانفرنس کی منظور شدہ قراردادیں

۲۳، ۲۴، ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد میں آندھرا پردیش اُردو کانفرنس ہوئی۔ ملک کے مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند صاحب ایم پی نے کانفرنس کی صدارت فرمائی۔

اس سہ روزہ کانفرنس میں حسب ذیل تجاویز منظور کی گئیں،

قرارداد (۱) حکومت آندھرا پردیش نے اپنے متعدد بیانات میں یقین دلایا ہے کہ اردو کو نہ صرف علاقائی زبان کی حیثیت حاصل رہے گی بلکہ وہ تلگو کے دوش بدوش پھلتی پھولتی رہے گی۔ یہ کانفرنس ان بیانات پر ممنونیت کا اظہار کرتے ہوئے اس امر پر افسوس کرتی ہے کہ یہ تیقنات ابھی تک روبہ عمل نہیں لائے گئے۔ اس کانفرنس کی قطعی رائے ہے کہ اس پالیسی کو روبہ عمل لانے کا واحد اور موثر طریقہ یہی ہوگا کہ حکومت ایک جامع اعلان جاری کرتے ہوئے اُردو کو ریاست کی ایک علاقائی زبان قرار دے اور اس کو (الف) نظم و نسق (ب) ریاستی نظام تعلیم اور (ج) عدلیہ میں اس کا جائز مقام دلانے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔

(الف) نظم و نسق (۱) قانون ساز جماعت کے ہر دو ایوانوں میں پیش ہونے والے مسودہ ہائے قانون، سوالات، قواعد، ضوابط، اعلانات اور رائے دہندوں کی فہرستیں اردو میں بھی شائع کی جائیں۔

(۲) جہاں کہیں بھی آبادی کے دس فی صد حصے کی مادری زبان اُردو ہو وہاں ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور اضلاع کے دوسرے مقامی اداروں کی کارروائیاں اُردو میں بھی قلم بند کی جائیں۔

(۳) معتمدی (Secretariat) وزارتی (Ministerial) اور عدالتی۔ وزارتی (Judicial - Ministerial) خدمات پر راست تقررات کے سلسلے میں اُردو کے موجودہ موقف کو برقرار رکھا جائے۔

(۴) ان تمام گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ خدمات کے لئے جہاں زبان دوم کے امتحان کا لزوم عاید کیا جاتا ہے اردو کو بھی دوسری زبانوں کے ساتھ زبان دوم کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے۔

(۵) تقررات کے موقع پر خصوصاً ان تقررات جو پبلک سروس کمیشن یا ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں یا مقامی اداروں کے توسط سے ہوتے ہیں امیدواروں کے خلاف صرف اس بنا کہ ان کی مادری زبان اُردو ہے کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔

(۶) سرکاری محکموں میں اُردو درخواستیں قبول کی جائیں اور درخواست گذار سے کسی دوسری زبان میں اس کے ترجمے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۷) آندھرا پردیش گزٹ اور ڈسٹرکٹ گزٹ کے اہم حصے تلگو کے ساتھ ساتھ اُردو میں بھی شائع کئے جائیں۔

(ب) ریاستی نظام تعلیم (۱) ان علاقوں اور مقامات میں جہاں کم سے کم دس فی صد آبادی کی مادری زبان اُردو ہو یا جہاں کسی ایک جماعت میں کم سے کم دس طلبہ اُردو میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں وہاں کسی رسمی یا دوسرے مطالبے کے بغیر تحتانی اور ثانوی مدارس میں اُردو ذریعہ تعلیم کی جماعتیں کھول دی جائیں۔

(۲) حسب ذیل امور کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے:-

(الف) اُردو اساتذہ کی ٹریننگ اور [illegible] کامیاب امیدواروں کی بی ایڈ ٹریننگ کلاس میں تلگو کے ساتھ ساتھ اُردو امیدواروں کی ٹریننگ۔

(ب) اردو مدارس کے لئے ناظروں اور تنقیح کنندوں کا تقرر۔

(ج) ان اسکولوں اور جماعتوں کے لئے جن کا ذریعہ تعلیم اردو ہے تمام مضامین کی نصابی کتابوں کی اُردو میں فراہمی۔

(د) حیدرآباد اور اضلاع کے سرکاری کتاب خانوں میں اُردو کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی خریدی کے لئے خاطر خواہ گنجائش۔

(ہ) کتاب خانوں کی مقامی کمیٹیوں میں جو ارکان نامزد کئے جائیں ان میں اُردو زبان والوں کو بھی مناسب نمائندگی دی جائے۔

(ج) عدلیہ — آندھرا پردیش کے شہروں اور علاقوں میں اردو بولنے والوں کی معقول تعداد موجود ہے۔ عدالتی کارروائیوں کی مختلف منزلوں پر اُردو کو بھی اس کا جائز مقام دیا جائے اور اس غرض کے لئے:-

(۱) عدالت ہائے دیوانی و فوجداری اور دیگر محکموں میں درخواستیں، پلیڈنگس، استغاثے، دستاویزات وغیرہ بلا کسی ترجمے کے اُردو میں قبول کئے جائیں۔

(۲) گواہوں کے بیانات اردو میں قلم بند کئے جائیں۔

(۳) وکلاء کو اُردو میں بحث کی اجازت دی جائے۔

(۴) اُردو جاننے والے حکام کو مامور کیا جائے۔

قرارداد (۲) عثمانیہ یونیورسٹی کے اس فیصلے کی روشنی میں کہ مختلف امتحانوں میں شرکت کرنے والے امیدواروں کو صرف اسی زبان میں جوابات دینے کی اجازت ہوگی جس زبان میں انھوں نے درس لئے ہیں یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ یونیورسٹی ان طلبہ کے لئے جو اعلیٰ تعلیم اُردو میں حاصل کرنا چاہیں کم از کم چند (Constituent) ڈگری کالجوں میں اُردو ذریعہ تعلیم کی جماعتیں کھولنے کا انتظام کرے۔

قرارداد (۳) یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ سری وینکٹیشور یونیورسٹی حسب سابق انٹرنس میں اُردو کے امتحانات منعقد کیا کرے اور امتحان ادیب فاضل میں خانگی امیدواروں کو بھی شرکت کا موقع دے۔ تاکہ ان امتحانات سے اردو زبان بولنے والے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں اور اُردو کی تعلیم میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲)

غزل

سید مرتضیٰ اختر

تم سے بچھڑ کے دور کی نگری میں جب گئے
ہم سنگِ خشتِ درد کے ڈھیروں میں دب گئے
ابھری ہے جگمگاتے ہوئے چاند کی طرح
پھر دل کے آسماں پہ کوئی یادِ شب گئے
صندل کی وادیوں میں دھنک بن کے ڈولتے
رستے بچھے کیا جو سوئے دیارِ طلب گئے
اک میں تھا جس کے ذہن سے اُتری وطن کی یاد
جانے کو تیرے شہر کی گلیوں میں سب گئے
سینے میں ایک خلش ہوئی ٹیس رہ گئی
وہ عشرتوں میں ڈوبے ہوئے روز و شب گئے
وہ شانتی کی اوس میں بھیگے ہوئے سمے
اختر ہماری زیست میں کب آئے کب گئے

غزل

وحید مرزا

ایک لمحہ جو کبھی دل پہ گراں ہوتا ہے
وہی لمحہ مجھے سرمایۂ جاں ہوتا ہے
برگِ گل پر بھی شرارے سے نظر آتے ہیں
صفِ مژگاں پہ ستاروں کا گماں ہوتا ہے
سازِ انفاس سے آتی ہے یوں آوازِ حیات
جیسے شوریدہ دل موجِ رواں ہوتا ہے
صورتِ نرگسِ بیمار چمن رہتی ہے
غمِ پنہاں ہے جو آنکھوں سے عیاں ہوتا ہے
شمع جلتی ہے تو آتش بدہن رہتی ہے
آخری سانس میں اسکے بھی دھواں ہوتا ہے

غزل

محمد منشا الرحمن خان منشاؔ

تنگیٔ دل۔ تنگیٔ حالات کا غم کرتے ہیں
چاند تارے بھی کہیں رات کا غم کرتے ہیں
جن کو آتا نہیں ہر حال میں شاداں رہنا
وہی تبدیلیٔ اوقات کا غم کرتے ہیں
آفتوں سے تو عزائم کی جلا ہوتی ہے
ہائے وہ لوگ جو آفات کا غم کرتے ہیں
اپنے بس کی نہیں جب صورتِ حالات تو پھر
لوگ کیوں صورتِ حالات کا غم کرتے ہیں
ساری دنیا کے ہوئے آپ ہمارے نہ ہوئے
ہم تو بس ایک اسی بات کا غم کرتے ہیں
قبلِ آغاز ہی انجام سے ڈرنے والے
عمر بھر نت نئے خطرات کا غم کرتے ہیں
دولتِ دیدۂ بیدار جنہیں ملتی ہے
وہ نگاہوں کے حجابات کا غم کرتے ہیں
ذوقِ تجدید کا رکھتے ہیں جو سودا منشاؔ
آپ اپنی ہی روایات کا غم کرتے ہیں

دل کی آگ

غازی ضیائی

ساون کی ہریالی ہو، یا چڑیوں کی چہکاریں
تاروں کی تابانی ہو یا پھولوں کی مہکاریں
پائل کی جھنکاریں ہوں یا جسموں کی لہکاریں

•

ہر شے میں پوشیدہ میرے ہی دل کی دھڑکن ہے
میں روشن ہوں جب تک یہ ساری دنیا روشن ہے
لہریں کیا تالاب کے پانی میں کنکر پڑ جانا!
آنکھوں میں سرشاری ہو تو رنگیں ہر پیمانہ!

•

پیاسے من سے تاج اجنتا کے فن میں گہرائی
پیاسے ادھروں سے ندیوں کی چالوں میں تروائی
پیاسے نینوں سے گوری کے مکھڑے کی رعنائی

•

لہروں کی چنچلتا ہی ہر ساگر کا جیون ہے
جس میں کونپل پھوٹ نہ پائے شاخ وہی ایندھن ہے

•

دھرتی لوہا اور شعلہ عنبر پتھر ہو جائے
دل میں آگ نہیں ہو تو جینا دوبھر ہو جائے

خوابِ زار

اشتیاق احمد اعظمی

رات کے دامن پر غم میں ہے کتنی تشنگی
سوزشِ درد کی ہر آگ بجھی جاتی ہے
رہگزاروں سے ابھرتی نہیں قدموں کی بھی چاپ
رہروِ زیست کی کاوش بھی لٹی جاتی ہے

وادیٔ خواب میں ہر درد کی بستر ہو جیسے
مائلِ خواب ہے درد و غمِ پنہاں کچھ کچھ
رات کا دامن پر کیف نہیں ہے پھر بھی
ریشمی خوابوں میں ڈھلنے لگے ارماں کچھ کچھ

میں سمجھتا تھا کہ دنیا کا ستایا دل ہے
شدتِ درد سے تڑپے گا نہ سو پائے گا
دیدۂ آنسو بھی نہیں ہے کہ بجھا لے گا تپش
یعنی رونا بھی جو چاہے گا نہ رو پائے گا

کیا خبر تھی کہ مرا ساتھ نہ دے گا کافر
جسم پر غم سے بھی پہلے ہی یہ سو جائے گا
میں بہ ہجومِ غم و آلام کا دیکھوں گا طلسم
یہ کہیں اور کسی زلف میں کھو جائے گا

رات جو دیپ ستاروں کا جلا سکتی ہے
دل کے داغوں کو بھی آئینہ بنا سکتی ہے
رات جو صد ہا ارادوں کو جنم دیتی ہے
کتنے ناکام ارادوں کو سلا سکتی ہے

مراسلات

بیخود بدایونی کا ایک شعر

رہی تکرار لفظ بیوفا پر رات بھر کیا کیا
کبھی اس نے کہا تو ہے کبھی میں نے کہا تم ہو

شعر مندرجہ عنوان بیخود بدایونی کا کہا ہوا ہے جسکو نہ معلوم کس اتفاق سے محمد علی صاحب اثر نے اپنے ایک مضمون "رامپور کا ایک شاعر" مطبوعہ اخبار ہماری زبان ۱۵ جولائی ۶۰ء کے زیر عنوان صاحبزادہ حسن رضا خاں صاحب حسن کے انتخاب کلام میں درج کر دیا ہے۔ بیخود کی جس غزل کا یہ شعر ہے وہ مرحوم کے دیوان مطبوعہ مستنصر پریس دہلی ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۰۹ء کے صفحہ ۱۳۸-۱۳۹ پر مندرج ہے۔ انتخاب محولہ میں نہ صرف زیر قلم کا تیسرا شعر بھی بیخود کی غزل کے آٹھویں شعر کی بگڑی ہوئی صورت معلوم ہوتا ہے۔ نیز دوسرا شعر بھی بیخود کے خصوصی رنگ کی غمازی کر رہا ہے۔ غزل بیخود قارئین کی ضیافت طبع کے پیش نظر ذیل میں منقول ہے ؎

مرض تم ہو دوا تم ہو اجل تم ہو شفا تم ہو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا خدا جانے کہ کیا تم ہو
جفا پر جان ہم دیتے ہیں خواہان وفا تم ہو
تمہاری آرزو ہم ہیں ہمارا مدعا تم ہو
اب آئے ہو تو کچھ میری سنو اپنی کہو مجھ سے
یہ خلوت میں حیا کیسی یہاں تو میں ہوں یا تم ہو
الجھ پڑنے میں گیسو ہو بگڑنے میں مقدر ہو
پلٹنے میں زمانہ ہو بدلنے میں ہوا تم ہو
اثر کی اب نہیں پروا نہ حسرت ہے رسائی کی
یہ کیا کم ہے کہ یوں ممنون آہ نارسا تم ہو
اداؤں میں تمہاری کچھ تباہن سا تباہن ہے
ہمارے دل شکن تم ہو عدو کے دلربا تم ہو
خطا داروں سے تیرے تیری رحمت کا اشارہ ہے
کہ خاطی ہو مگر میری نظر میں بے خطا تم ہو
کہاں تک بے نیازی بندہ پرور ہوش میں آؤ
نہ ہم بندے تمہارے ہیں نہ بندوں کے خدا تم ہو
نہ ہو دل سے سوا کیوں اہل دل کو درد دل اپنا
کہ اب دل سے خریدار دل درد آشنا تم ہو
رہی تکرار لفظ بے وفا پر رات بھر کیا کیا
کبھی اس نے کہا تو ہے کبھی میں نے کہا تم ہو
بجا ہے ہاں کسی نے تم کو دیکھا ہے نہ بھالا ہے
مگر آشنائی میں بھی عالم آشنا تم ہو
تم اچھے ہو مگر دشمن مرے تم سے بھی اچھے ہیں
کہ تم پر میں فدا ہوں اور ان پر مبتلا تم ہو
تخلص تم نے رکھا اپنا بیخود حضرت بیخود
یہ کیسی بیخودی ہے جس میں اپنے خود نما تم ہو

(معراج ، ھولپوری)

کلاسیکل کتابوں کے اُردو تراجم

اگر کسی صاحب کو مندرجہ ذیل کلاسیکی کتابوں کے اُردو تراجم کے بارے میں کوئی علم ہو تو مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل کے پتہ پر مطلع کر کے مجھے مشکور فرمائیں۔

۱. ہومر کی الیاڈ (اس کا ذکر رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اُردو میں کیا ہے)
۲. ملٹن کی پیراڈائز لاسٹ (اُردو: فردوس گمشدہ ؟)
۳. گوئٹے کا فاؤسٹ (ترجمہ منشی جوالا پرشاد برق و محمد عظیم خاں باقی)
۴. مہابھارت و رامائن (مکمل اُردو ترجمہ)
۵. ایسوپ کی کہاوتیں (اُردو ترجمہ بعنوان حکایاتِ لُقمان)
۶. کلہن پنڈت کی راج ترنگنی
۷. بیرلوئی کی افروڈائیٹی (اُردو ترجمہ بعنوان داستان)

پتہ:- غلام نبی خیال۔ جموں و کشمیر کلچرل اکادمی۔ سری نگر، کشمیر۔

ابو الکلام آزاد کا تذکرہ شعراء

میرے دادا مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی مرحوم کو ہمیشہ سے علم و ادب کا ذوق تھا جس کا سب سے بڑا عملی ثبوت نظامی پریس بدایوں ہے جس نے اب تک تقریباً چالیس پچاس شعراء و ادباء کے افکار کو عوام سے روشناس کرایا ہے۔ مجھے یاد ہے میرے بچپن میں ایک بار مولانا نظامی فرما رہے تھے کہ ہم عنقریب حضرت ابو الکلام آزاد کا نیا تذکرہ شعراء ان سے حاصل کرنے کے بعد اپنے مطبع سے شائع کریں گے۔ غالباً مولانا آزاد و مولانا نظامی کی ملاقات کلکتہ میں ہوئی تھی اور مولانا آزاد مرحوم نے مولانا نظامی کو اپنے تذکرہ کی پہلی جلد کا مسودہ بھی دکھایا تھا۔

راقم الحروف خود کتابوں کی نشر و اشاعت کے کاروبار سے وابستہ ہے اسی لئے یہ خیال آتا ہے کہ اگر جب پہلی جلد تیار تھی تو تذکرہ شائع ہوا ہو گا۔ مگر اب تک نہ کسی کتب خانہ کی فہرست میں اس کا نام نظر آیا اور نہ ہی مولانا ابو الکلام آزاد کی تصانیف میں کسی ایسے تذکرہ شعراء کا نام نظر سے گذرا۔

اگر کوئی صاحب جنھیں تذکرہ مذکور کی بابت علم ہو بذریعہ اخبار ہذا اس پر کچھ روشنی ڈالیں تو میں ان کا ممنون ہوں گا۔ (جمال الدین مونس)

(اُردو) محققین کی خدمت میں

ہماری لائبریری میں کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کی تحقیقی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ضرورت مند حضرات متوجہ ہوں۔

۱. تعلیم الغوثیہ ۔ سنہ ۱۳۰۵ھ
۲. فرہنگ محمودی ۔ سنہ ۱۳۰۹ھ
۳. کلیات رابرٹ برنس ۔ (انگریزی) سنہ ۱۸۸۰ء
۴. پاپولر انسائی ۔ ۱۴ جلد ۔ سنہ ۱۹۰۵ء
۵. مہاراجہ موتی سنگھ ۔ سنہ ۱۹۲۵ء
۶. معرکۂ مذہب و سائنس ۔ (ترجمہ)
۷. خم خانۂ ارم ۔ سنہ ۱۹۳۵ء
۸. بوستان معرفت ۔ سنہ ۱۳۳۰ھ
۹. حکومت خود اختیاری اور ہندو مسلم مسئلہ کا حل ۔ سنہ ۱۹۲۶ء

(انجمن توسیع اردو، ۲/۱ تانتی بگان روڈ، کلکتہ ۱۴، مغربی بنگال)

سخاوت مرزا

بزمِ اُردو کی ایک اور شمع بجھ گئی

ابو محمد عمر الیافعی حیدرآبادی ۲۵ر اگست ۱۹۶۱ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کو چل بسے، مرحوم مولوی عبدالحق بابائے اُردو کے مخلص دوست گویا یک جان و دو قالب حکیم سید شمس اللہ قادری مرحوم کے قدیم رفیق، مولانا کیفی حیدرآبادی کے شاگرد عزیز، اور مشہور شاعر جہبود علی صفی حیدرآبادی کے یار غار تھے، ان کے دوسرے خاص ملنے والوں اور رفقاء میں نواب قطب الدین المعروف بہ قطب ناشی، مولوی سردار علی، رہبر فاروقی، محسن خاں سنتین وغیرہ (ارباب انجمن اُردو سرور نگر حیدرآباد)۔ نواب عسکر یار جنگ بیارسٹر مرحوم، مولوی خورشید علی مرحوم، ملا عبدالباسط۔ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، ڈاکٹر زور، صاحبزادہ کاظم علی خاں، پرانے ساتھیوں میں تھے۔ مولانا عبداللہ عمادی، علی یاور جنگ۔ حبیب الرحمٰن شروانی ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔

یافعی مرحوم عرب نژاد جبل یافعی (یمن) کے رہنے والے تھے، ان کے جد امجد یحییٰ، اور والد ماجد صلاح بن یحییٰ، سالار جنگ اول کے زمانے میں آئے اور جمعیت عرب میں ملازم ہوئے نواب صاحب قدر کرتے تھے۔ مولوی عمر یافعی مرحوم تقریباً ۱۳۰۲ھ میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم پائی منشی کامیاب کیا۔ مولانا رضی الدین کیفی مرحوم کی صحبت میں برسوں رہے جن کی تربیت نے دماغ میں ایک جلا کردی تھی، محکمۂ فنانس، صدر محاسبی ریکارڈ آفس میں ملازم رہے تقریباً ۱۹۵۲ء میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد طویل علالت رہی اور اسی میں جاں بحق ہو گئے۔ آخری زمانہ میں یہ شعر وردِ زبان تھا۔

صبر و قرار تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

حلیہ۔ بلند قد، جسیم، کشادہ پیشانی۔ میش چشم۔ سانولا رنگ ڈاڑھی مونچھ صاف۔ عمر ۷۵ کے لگ بھگ تھی۔

غرض یافعی صاحب مرحوم ایک عرب نژاد، با اخلاق، ظریف، منکسر المزاج، اُردو و ادب کے شیدائی اور خاموش کارکن تھے، محققانہ مضامین لکھا کرتے تھے، خط پختہ نستعلیق ان کی اُردو صاف اور شگفتہ تھی۔ سب سے بڑا جنون اُردو، عربی، فارسی اور کچھ انگریزی معیاری کتب جمع کرنے کا تھا، جو آغا حیدر حسن کی صحبت میں پیدا ہوا۔ ان کا کتاب خانہ ہندوستان کے نادر کتاب خانوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ مولوی محمد حسین محوی صدیقی محمود شیرانی، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، پروفیسر عبدالمعز برنیمیں، مولوی نجیف اشرف، ڈاکٹر زور، تمکین کاظمی، رہبر فاروقی، سخاوت مرزا، عبدالرزاق راشد، نصیر الدین ہاشمی وغیرہ نے ان کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ بعض ریسرچ اسکالرس کو بھی کافی مدد دی۔ غرض مرحوم علم کے شیدائی اور نوجوان کالج کے طلبہ کی حوصلہ افزائی اور علمی امداد کیا کرتے تھے۔ حیدرآباد کی پرانی علمی محفلیں دیکھی تھیں، کیفی، ترکی، ظہیر دہلوی، میکش تھانوی وغیرہ کے مشاعروں میں شریک رہ چکے تھے اور چشم دید حالات بیان کیا کرتے تھے۔ کہا کہ ایک مشاعرہ میں کیفی نے ایک غزل اپنے شاگرد صبوحی کو عطا کی تھی جس کا ایک شعر پر لطف تھا ؎

آگئی نجد میں لیلیٰ جو بہت خوب ہوا
قیس سے چل گئی ہوتی ترے سودائی کی

تاج الدین عقید کا ایک شعر عطیہ استاد کیفی ملاحظہ ہو ؎

سجدہ کرتے ہیں پھر اکثی متھانوں پہ
دھو کے پی لیتے ہیں جتنی ہے جو پیمانوں پہ

استاد نے کہا کہ سنو، جس شعر میں جدت نہ ہو وہ شعر ہی کیا؟ یافعی مرحوم استاد کیفی کو برجستہ مصرع ہائے طرح تلاش کر کے دیتے تھے اور کبھی خود بھی شعر کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ استاد کے سامنے اپنا یہ شعر پڑھا۔

مری مشق تصور نے یہاں تک رنگ بدلا ہے
تری صورت کا دھوکا ہو رہا ہے میری صورت پر

استاد نے تعریف تو کی مگر نصیحت کی کہ تم شعر مت کہا کرو۔ یہ شعر بھی اکثر بزمانۂ علالت پڑھتے تھے جو غالباً انھیں کا ہے۔

بیکسی اور بڑے وقت کی تو بہ توبہ
جانے پہچانے بھی انجان ہوئے جاتے ہیں

غرض یافعی مرحوم گذشتہ خاک نشینان حیدرآباد کے یادگار تھے۔ اُردو انشا پردازی، تاریخی و تنقیدی مضامین لکھنے میں کافی مہارت تھی، نیز ترتیب و تدوین تصانیف و تالیفات میں بھی خاص ملکہ تھا۔ زود فہم، طباع، ظریف، خوددار کسی قدر تیز مزاج بانکپن بھی تھا مگر مخلصانہ پہلو رہتا تھا۔ بابائے اُردو اور ڈاکٹر زور وغیرہ سے بھی نوک جھوک رہی۔ پھر بابائے اُردو سے ایسا مخلصانہ رشتہ جوڑا جو آخر دم تک قائم رہا، بقول "تو من شدی من تو شدم" ان کے مضامین زیادہ تر رسالہ مکتبہ جس کے وہ مدیر بھی تھے نیز عبدالقادر سروری بھی، نیز رسالہ تحفہ (انجمن ارباب اردو سرور نگر حیدرآباد رسالہ تجلی حیدرآباد ۱۹۳۳ء اور مابعد میں چھپتے رہے۔ اور ہمیشہ کبھی نام ظاہر کیا یا معمہ میں (ع۔ ی) لکھ دیا۔ بعض مضامین

یہ ہیں :- "بادۂ دکن" کے عنوان سے دکن کے قدیم شعراء کا انتخابی سلسلہ شروع کیا تھا مثلاً :-

دیوان غلام مصطفیٰ مسکین اورنگ آبادی۔ تمہید شفیق
مثنوی مہر پرسخن " "
مثنوی میخانۂ عاشقی، شفیق اورنگ آبادی۔
شفیق کی غزل گوئی کا راز۔
شفیق کی مثنوی تصویر جاناں۔
صحبت یاب خاں شہر حیدرآبادی۔
جہت حیدرآبادی۔
آٹھویں صدی ہجری کی نظم و نثر۔
دیوان حاکی دکھنی۔ (مخطوطہ کتب خانۂ حبیب گنج)
تنقید بر کلیات وطن حیدرآبادی۔
نذیر احمد کی کہانی بصول حالی کی زبانی۔
عزیز یار جنگ عزیز حیدرآبادی۔
کلیات شیر محمد خاں ایمان (دکنی اقساط)
جہان بیگم دارا شکوہ کے جہیز۔
تنقید بر تالیف سلوکات خدیجہ حسن اللہ قادری۔
(ملاحظہ ہو رسائل مکتبہ ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۲ء
تحفہ ہندوستانی ادب۔ سالنامہ سب رس دکن)

نایاب مخطوطات کی بہت سے خلاصے، یادداشتیں مثلاً :-
خلاصہ روایح الانفاس ملفوظ شیخ برہان راز الٰہی۔
خلاصہ ملفوظات شیخ وجیہہ الدین گجراتی۔
انتخاب دیوان صفا بریلوی۔ (قلمی)
خلاصہ دیوان فارسی آزاد بلگرامی۔
یادداشت نعت شاہ طاہر کاشانی (نظام شاہی)
خلاصہ تذکرہ بہاؤ الدین عروج اورنگ آبادی۔

بعض تالیفات :-
تذکرہ گل رعنا شفیق کے ہندو شعراء (مطبوعہ)
ترجمہ ملفوظات شاہ مسافر اورنگ آبادی۔ مطبوعہ۔
مجلہ نظامیہ حیدرآباد۔
ترتیب دیوان صفی حیدرآبادی مع دیباچہ غیر مطبوعہ۔
ترتیب دیوان کیفی

بعض نوادرات کتب خانہ :-
دیوان فارسی دارا شکوہ مکمل قدیم
دوکل الخیرات بہ تحریر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

مطول تفتازانی عربی۔ قدیم نسخہ۔
تادیب سنگرف۔ شفیق اورنگ آبادی۔
شعراء معاصرین شفیق غالباً چمنستان بے نظیر۔
(مسکین کاظمی نے اپنے مضمون شفیق میں حوالہ دیا ہے)
سب رس وجہی۔ (قدیم مخطوطہ)
دواوین منشی امداد علی علوی تھانوی۔
مخطوطہ دیوان عزت فارسی۔
مخطوطہ دیوان غالب کا قدیم نسخہ مع بعض توضیح اشعار
از مصنف۔
دواوین مصحفی (مخطوطات)۔
بعض نقول مخطوطات نایاب :- تاریخ راجگان ورنگل
مؤلفہ فقیر اللہ حیدر (کیکتیا خاندان) ماخذ نسخہ جات
قدیم تلنگی وغیرہ بھی ہیں۔
نقل تذکرہ شعراء فارسی الموسوم بہ تذکرہ نو بہار
مولفہ شاہ رفیع الدین قندھاری۔
(معاصر آزاد بلگرامی)
تذکرہ گلدستۂ کرناٹک فارسی شعراء رائق مدراسی (از مخطوطہ مدراس)
تذکرہ فارسی شعراء مرتضیٰ خادم مدراسی۔ وغیرہ جو میری نظر سے گزرے ہیں، کتب خانہ غیر منظم حالت میں ہے جس کی وہ ترتیب دے سکے خدا جانے اور کیا کیا نایاب ادبی و تاریخی ذخیرہ ہے۔ مرحوم صاف اور خوشخط لکھنے کے عادی تھے۔ کتب خانہ تقریباً پانچ ہزار کتب پر مشتمل ہے۔ مرحوم کی تمنا تھی کہ ایک ادبی مجلس قائم ہو اور نوجوانان دکن استفادہ کرکے ٹھوس کام کریں جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ تاریخی مادے برجستہ نکالتے تھے

ابو طیب نجمی :- <u>یا نجمی خدا الکتاب ناموس</u>

۱۹۵۱ء

اسی طرح ڈاکٹر حامد علی، ضیاء گورگانی وغیرہ کی تاریخ وفات کہی تھی، پسماندگان میں صرف ایک اہلیہ اور بھانجہ ہے جو منشی فاضل ہے۔ ان کے بہت سے مکتوبات میرے پاس موجود ہیں اور ان کے پاس بعض مشاہیر اور ادبائے اردو کے خطوط اکثر محفوظ تھے جو ادبی حیثیت رکھتے ہیں ایک مختصر خط کا نمونہ یہ ہے جو احقر کے نام آیا تھا (بمقام ورنگل شریف)

مجی تسلیم، معاہدات والی کتاب آگئی ہے کسی روز تشریف لاکر لے جائیے۔ میاں فرحت مل گئے تھے، میں نے بھی ان سے کہا ہے۔ وعدہ تو کیا ہے لیکن ایک ہندوستانی کے وعدہ کو ایک ہندوستانی ہی خوب جان سکتا ہے۔ ہم تو ہے ایک دکھنی بھائی۔ والسلام عمر الیافعی (۲۰ امرداد ۱۳۵۱ فصلی)

نوٹ :-
معاہدات مابین سرکارین (سرکار نظام و برطانیہ)
(انگریزی) کا ترجمہ مجھ سے کرایا تھا جو مرحوم کے پاس رہ گیا۔
اور اب تو وہ دفتر پارینہ ہو گیا —
میاں فرحت (مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم) سے میرے لئے حیدرآباد تبادلہ کی کوشش کی تھی۔

انجمن کا خبر نامہ

انجمن ترقی اردو راجستھان کی اپیل

انجمن ترقی اردو شاخ راجستھان نے اردو دوستوں کو متوجہ کیا ہے اور ان سے اپیل کی ہے کہ اردو کو اب تک راجستھان میں جو کچھ حقوق مل چکے ہیں، ان پر عمل درآمد کرانے میں وہ انجمن کی امداد کریں۔ اپیل کا پورا متن حسب ذیل ہے:-

امید ہے کہ اردو دوستوں نے خاطر خواہ توجہ کی تو ان احکام حکومت پر عمل بھی پورے طور پر ہونے لگے گا۔ "ادارہ"

(۱) دستور ہند کی دفعہ ۳۵۰ الف کی رو سے آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ درجہ اول سے درجہ پنجم تک آپ اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان (اردو) میں کل مضامین کی تعلیم سرکاری اسکولوں میں اردو کے ذریعہ دلائیں جس کو حکومت راجستھان بھی احکام جاری کر چکی ہے کہ جس کسی اسکول میں ایسے چالیس یا ایک کلاس میں دس طلبہ ہوں وہاں درجہ اول سے درجہ پنجم تک ذریعہ تعلیم جملہ مضامین کا مادری زبان ہوگی اور درجہ ششم سے درجہ دہم یا یازدہم تک اردو بحیثیت اختیاری مضمون لی جا سکتی ہے (۲) دفعہ ۳۵۰ دستور ہند کے مطابق ہر شخص اپنی درخواست اردو میں دے سکتا ہے چنانچہ حکومت راجستھان نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ اردو میں بھی درخواستیں دی جا سکتی ہیں جو رد نہیں کی جائیں گی (۳) یہ بھی حکم جاری کر دیا ہے کہ اردو ریکارڈ کی نقلیں اردو رسم خط ہی میں دی جائیں گی (۴) حکومت راجستھان نے یہ بھی منظور کر لیا ہے کہ وہ قوانین و اعلانات جو لسانی اقلیتی طبقہ سے متعلق ہوں اردو میں بھی شائع ہوں گے۔ لہٰذا اب آپ کا فرض ہے کہ ان احکام سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اگر ان احکام کی تعمیل میں کوئی دقت پیش آئے تو انجمن کو مطلع فرمائیں۔ اس سلسلہ میں بہی خواہان اردو جو بھی مفید اور معقول تجاویز بھیجیں گے ان پر بھی انجمن غور کرے گی۔

(احترام الدین احمد شاغل، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان
تسلیم منزل۔ جے پور)

انجمن ترقی اردو دہلی کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ

دہلی۔ ۱۰ دسمبر۔ انجمن ترقی اردو دہلی کی ورکنگ کمیٹی کی ایک میٹنگ بیگم صالحہ عابد حسین کی صدارت میں ہوئی۔ جنرل سکریٹری محترمہ سلطانہ نے گذشتہ میٹنگ کی کارروائی پڑھ کر سنائی جس کو منظور کیا گیا۔ طے پایا کہ انجمن کے آئین میں ترمیم کے سلسلے میں جو کچھ میٹنگ میں غور کیا جائے۔ انجمن کے ترجمان "صبح" سہ ماہی کا پہلا شمارہ زیر بحث رہا اور ہر طرح اس کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے مسائل پر تفصیلی طور پر غور کیا گیا اور طے پایا کہ آئندہ سال بچوں کی اردو تعلیم کے سلسلے میں ابھی سے کچھ تیاریاں کی جائیں۔ اس مقصد کے لئے دہلی کے مختلف علاقوں کا جائزہ لیا جائے کہ کہاں کہاں اسکولوں کی گنجائش ہے اور علاقوں کے سرکردہ افراد سے تعاون حاصل کر کے اردو اسکولوں کے قیام کی کوشش کی جائے۔ شہریوں سے اپیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ انجمن کے ساتھ اس سلسلہ میں تعاون کریں اور جہاں جہاں اردو اسکولوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اس کے متعلق انجمن کو ضروری اطلاعات بہم پہنچانے کی تکلیف گوارا کریں۔ (سکریٹری)

بقیہ

آندھرا پردیش اردو کانفرنس کی منظور شدہ قراردادیں

قرارداد (۴) یہ کانفرنس حکومت ہند کے ان اقدامات کا خیر مقدم کرتی ہے جو ملک میں جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کے سلسلے میں کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کے تمام شہریوں کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ اس مقصد کے تحت مناسب ہوگا کہ آندھرا پردیش کے تمام وہ لوگ جن کی مادری زبان اردو ہے تلگو سیکھیں اور جن کی مادری زبان تلگو ہے وہ اردو سے واقفیت حاصل کریں۔ ایسا اقدام حقیقی جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے میں بہت موثر ثابت ہوگا۔

قرارداد (۵) قومی اتحاد اور جذباتی ہم آہنگی کا مسئلہ اگرچہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے لیکن رسم خط سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر زبان کا رسم خط اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے۔ اس لئے یہ کانفرنس اس تجویز کی حمایت نہیں کرتی کہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے لئے ایک رسم خط اختیار کیا جائے۔

قرارداد (۶) آندھرا پردیش اردو کانفرنس کا یہ اجلاس حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے تلگو کے علاوہ اردو زبان میں بھی علاقائی خبریں نشر کرنے کا انتظام کیا جائے۔

قرارداد (۷) آندھرا پردیش اردو کانفرنس کا یہ اجلاس اردو ادیبوں کی تخلیقات کی اشاعت کے معقول انتظام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا ہے اور یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش امداد باہمی کے اصولوں پر ایک اشاعتی ادارے کی تشکیل و تنظیم میں پہل کرے اور اس کے حصص کی فروخت کے لئے اردو ادیبوں اور اردو دوستوں کا تعاون حاصل کرے اور کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں جن فنی اور غیر فنی افراد کے تعاون اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی اس ادارے کے حصص خریدنے کا حق حاصل ہے۔

قرارداد (۸) آندھرا پردیش اردو کانفرنس انجمن ترقی اردو ہند سے یہ خواہش کرتی ہے کہ وہ اردو زبان و ادب کی اشاعت ترقی و ترویج کی خاطر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کتابوں کے آزادانہ تبادلے کے سلسلے میں جو رکاوٹیں ہیں انہیں دور کرنے کے لئے مرکزی حکومت کو توجہ دلائے۔

قرارداد (۹) آندھرا پردیش اردو کانفرنس ریاست میں اردو صحافت کی ترقی کے راستے میں حائل ہونے والی دشواریوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس کرتی ہے کہ آندھرا پردیش سے شائع ہونے والے اردو اخبارات و رسائل اور خبر رساں اداروں کو حکومت کا کما حقہ تعاون حاصل نہیں ہے۔ اردو کے علاقائی زبان قرار دئے جانے کے بعد یہ مزید توقع تھی کہ حکومت ریاست کے اردو اخبارات و رسائل اور خبر رساں اداروں کو زیادہ سہولتیں بہم پہنچائے گی لیکن یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ان اخبارات اور رسائل و خبر رساں اداروں کو وہ مقام نہیں دیا جا رہا ہے جو دیگر زبانوں کے اخبارات و رسائل و خبر رساں اداروں کو دیا جا رہا ہے۔ کانفرنس یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اردو اخبارات و رسائل اور خبر رساں اداروں کو وہی مرتبہ و مقام دیا جائے جو دوسری زبانوں کے اخبارات کو دیا جاتا ہے۔

یہ کانفرنس اُردو داں طبقہ سے بھی خواہش کرتی ہے کہ وہ اردو اخبارات و رسائل کی ترقی میں عملی طور پر حصہ لیں کیونکہ اردو زبان کی ترقی اور اس کی مقبولیت کا ایک موثر ذریعہ اُردو اخبارات ہی ہیں۔

یہ کانفرنس اُردو صحافیوں سے خاص طور پر اپیل کرتی ہے کہ قومی یکجہتی کے استحکام کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس کوشش میں حصہ لیں۔

قرارداد (۱۰) آج ہمارا ملک قومی تعمیر و ترقی کی جس منزل سے گذر رہا ہے اس کو جلد از جلد تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ زبان، مذہب اور ذات پات کی بنا پر تعصب تنگ نظری اور انتشار و افتراق کے خطرناک رجحانات کو مٹایا جائے اور قومی اتحاد و جذباتی ہم آہنگی کے تقاضوں کو ابھارا جائے اور انسان دوستی کی شریفانہ رواداری کو آگے بڑھایا جائے۔

بلاشبہ اردو کے شاعر، فنکار اور دانشور اپنی دیرینہ روایتوں کے بموجب اس اہم مقصد کے حاصل کرنے میں بڑا حصہ لے سکتے ہیں۔ لہذا آندھرا پردیش اردو کانفرنس کا یہ اجلاس متوقع ہے کہ اُردو کے لکھنے والے اہل فکر و نظر اور فنکار اپنی تخلیقات کے ذریعے اس عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

(حبیب الرحمن سکریٹری انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش)

بقیہ

بابائے اُردو کا رسالہ افسر

حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا معمولی شخص اتنا بڑا مصنف کیونکر ہوسکتا ہے اور جس قدر ملنے کا چاؤ تھا اسی قدر مایوسی ہوتی ہے۔

مصنفین میں سے بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں حیا اس قدر دامنگیر ہوتی ہے کہ بات کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور علاوہ حیا کے ان کی نظر اپنے عیوب و نقائص پر ہی پڑتی ہے اور اس لئے اپنے خیالات کے جمع کرنے، مضمون کے ترتیب دینے، یا دلائل پیش کرنے اور بیان مقصد میں گھبرا جاتے ہیں۔ اور تقریر کرنے میں کچیاتے ہیں اور سننے والا ان کے بیان سے کوئی کام کی بات اخذ نہیں کرسکتا۔

ان کے برعکس بعض مصنفین ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنی لیاقت اور فضیلت پر بے انتہا وثوق ہو جاتا ہے اور اس لئے وہ بہت گستاخ، منھ پھٹ اور بے ادب ہوجاتے ہیں۔ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا قابل مصنف اس قدر بد تمیز ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ "تمیز انسان کو انسان بناتی ہے"۔ یہ سچ ہے، مگر افسوس ہے کہ شہرت اور عزت بھی ایک بڑے سے بڑے شخص کو تمیز نہیں سکھا سکتی۔ ان لوگوں کی بدتمیزی دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے۔ شاید یہ لوگ تالیف و تصنیف کے شغل اور کتب کے مطالعہ میں اس قدر منہمک رہتے ہیں کہ انھیں انسانی اطوار کے مطالعہ کا موقع نہیں ملتا۔ جو طبیعت کے نرم ہوتے ہیں وہ شرمیلے رہ جاتے ہیں اور جن کے دل قوی ہوتے ہیں وہ گستاخ اور بدتمیز ہو جاتے ہیں۔

مصنفین میں ریا بہت بڑا عیب ہے۔ یعنی دل میں کچھ اور قلم سے کچھ نکلتا ہے، صرف اس ڈر سے کہ ہم بدنام نہ ہوجائیں یا ہماری وقعت میں فرق نہ آجائے۔ یہ لوگ مصنفین ہیں، سب سے ذلیل ہیں اور ہرگز قابل وقعت نہیں۔ بعض مصنفین نہایت قابل اور فاضل ہوتے ہیں مگر ایسے خفیف الحرکات اور عامیانہ خیال کے ہوتے ہیں کہ ملاقات کے بعد جب ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو سخت نفرت ہوجاتی ہے اور انکی ساری وقعت خاک میں مل جاتی ہے۔ یہ امر درحقیقت نہایت قابل افسوس ہے کیونکہ انسان کے اخلاق اس کے علم و فضل سے کہیں زیادہ قابل قدر ہیں۔

لیکن کیا یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہا جائے یا لکھا جائے اس پر عمل بھی ہو۔ ہونا تو یہی چاہئے۔ اصل وقعت اور عظمت اسی میں ہے۔ کیونکہ جب معلوم ہو جاتا ہے کہ عمل کرسکتے ہیں اور نہیں کرتے، یا جو کچھ لکھتے یا کہتے ہیں، اس میں خلوص اور سچائی نہیں تو ان کی عظمت دل میں نہیں ہوتی، اور فصیح سے فصیح تقریریں اور اعلیٰ سے اعلیٰ تحریریں کچھ اثر نہیں کرتیں۔

کیا مصنفین دوسرے لوگوں سے کچھ نرالے ہوتے ہیں؟ صرف ایک لحاظ سے۔ یعنی بخلاف دوسروں کے ان کی نسبت دو قسم کے خیالات اور دو قسم کی ملاقاتیں ہوتی ہیں ایک حضوری کی اور ایک غیبت کی۔ اور اسی میں خوبی اور اسی میں ان کی خرابی ہے۔

ایجنسی کی کتابیں

یادگار فرحت	مرتبہ غلام یزدانی قیمت مجلد ۴٫۰۰ غیر مجلد	۳٫۰۰
معاشیات	حبیب الرحمٰن	۲٫۰۰
تلگو ادب کی تاریخ	ڈی راما نجا راؤ	۴٫۰۰
چنگیز (ڈراما)	محمد فضل الرحمٰن	۲٫۰۰
گوتم بدھ (منظوم سوانح حیات)	"	۱٫۰۰
سقراط (ڈراما)	"	۱٫۲۵
رپورٹ کل ہند اردو کانفرنس		۲٫۰۰
چراغ منزل	شاہد صدیقی	۲٫۰۰
مزیدار کہانیاں	محمد حفیظ الدین	۰٫۳۷
بچوں کے گیت	لطیف النساء بیگم	۰٫۳۷
چند بڑے آدمی	مقبول احمد سیوہاروی	۰٫۳۷
ہونہار	شجاع احمد قائد	۰٫۳۷
ابتدائی سماجی لسانیات	فاطر شجاعت	۳٫۰۰
شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا		۵٫۰۰
مسدس بے نظیر (جان صاحب)	مرتبہ اثر رامپوری	۲٫۵۰
اسباب بغاوت ہند	سید احمد خاں	۲٫۰۰
رگ جاں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۲٫۵۰
آتش گل	جگر مرادآبادی	۶٫۰۰
۶۰ء کے بہترین افسانے	ایم حبیب خاں	۲٫۷۵
مکاتیب سرسید	مشتاق حسین	۷٫۵۰
حالی کا سیاسی شعور	جذبی	۳٫۵۰
فروزاں	"	۲٫۲۵
مقدمہ کلام آتش	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۷۵
فکر و ادب	دیویندر اسر	۳٫۵۰
ہندی ساہتیہ برائے ایم۔اے	شعبۂ اردو	۲٫۰۰
انتخاب نظم و نثر فارسی ایم۔اے	"	۲٫۰۰
اردو نثر برائے بی۔اے	"	۲٫۷۵
اردو نظم بی۔اے	"	۱٫۰۰
اردو شاعری بی۔اے	"	۲٫۲۵
ابتدائی اردو نصاب بی۔اے	"	۱٫۲۵
ابتدائی اردو نصاب پری یونیورسٹی	"	۱٫۰۰
اردو نثر	" "	۱٫۵۰
انتخابات نظم	" "	۱٫۲۵
ابھندن گرنتھ	جوش ملسیانی	۱۰٫۰۰

جنون و ہوش	جوش ملسیانی	۴٫۰۰
ہفت رنگ	عرش ملسیانی	۲٫۰۰
تلامذہ غالب	مالک رام	۷٫۵۰
نوید گل	سعادت نظیر	۰٫۶۰
آب و تاب		۱٫۵۰
علی گڑھ میگزین مجاز نمبر	شعبۂ اردو	۳٫۵۰
" [illegible]		۲٫۰۰
علی گڑھ تحریک	مرتبہ نسیم قریشی	۱۰٫۰۰
حیدرآباد کے ادیب	زینت ساجدہ غیر مجلد ۴٫۰۰ مجلد	۵٫۰۰
حیدرآباد کے شاعر	خواجہ حمید الدین شاہد " ۴٫۰۰ "	۵٫۰۰
پھول اور کلیاں	سعادت نظیر	۰٫۶۰
انتخاب جدید نثر اردو	سید احتشام حسین رضوی	۲٫۵۰
قصیدہ عربیہ		۰٫۵۰
تابش سہیل	افتخار اعظمی	۵٫۰۰
موج کوثر	اقبال سہیل	۰٫۵۰
ارمغان حرم	مرتبہ افتخار اعظمی	۵٫۰۰
میری غزلیں	علی جواد زیدی	۲٫۵۰
غزل	مجروح سلطانپوری	۳٫۵۰
مطالعہ غالب	اثر لکھنوی	۱٫۵۰
انیس کی مرثیہ نگاری	"	۲٫۵۰
نوبہاراں	"	۲٫۵۰
اردو شاعری کی روایات	شارق میرٹھی	۲٫۰۰
مجذوب اور ان کا کلام	محمد رضا انصاری	۱٫۵۰
گلدستۂ محسن	محسن کاکوروی	۰٫۷۵
پیام ساوتری	جگر بریلوی	۲٫۲۵
رس	"	۲٫۰۰
فردوسی ہند	صفدر آہ سیتاپوری	۳٫۰۰
نوید نو	"	۱٫۰۰
کتاب نورس	ڈاکٹر نذیر احمد	۲٫۵۰
تحقیقی مطالعے	"	۴٫۰۰
کیف سرمدی	ناشاد کانپوری	۲٫۰۰
جلوۂ صد رنگ	حبیب احمد صدیقی	۳٫۰۰
حیات سرمد	ابوالکلام آزاد	۰٫۳۷
پڑھو اور بڑھو	محمد اسحٰق صدیقی	۰٫۷۵

پتہ:- انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا